



• اسرار احمد شر

دعوت الی اللہ کے اصول قرآن کی نظر میں

ABSTRACT: The basic purpose of the creation of man is attainment the recognition of Allah. But when man starts his material life, he forgets the original and real purpose of his creation and this chain is continue from the history of humanity. The Satan (Devil) has carried the task to mislead the man so that's why Allah Almighty has not left man alone and support less, but He appointed His special and selective servants for the guidance of human beings.

The duty and responsibility of those selective servants of Allah, is to show the right and straight path to human beings.

All humans have different natures and moods, so Allah Almighty has taught His Prophets to guide the people according to their nature. Allah Almighty has taught them different ways to call the people towards Him.

The prophets acted upon the method which they learnt from their real teacher (Allah) and kept preaching and calling the human beings towards their real purpose of life and the right path.

کلیدی الفاظ: دعوت الی اللہ، موعظہ حسنہ، مبلغ، الحکمۃ، تنفییر

مقدمہ

تخلیق انسانیت کا اساسی مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول ہے۔ لیکن مادی زندگی میں قدم رکھتے ہی انسان فطرتاً حقیقی مقصد کو بھول جاتا ہے اور یہ سلسلہ بنی نوع آدم کی تاریخ سے چلا آ رہا ہے۔ چونکہ شیطان نے بھی انسان کی گمراہی کا بیڑہ اٹھالیا تھا تو اب انسان کو شتر بے مہار رکھنا مناسب نہ تھا، لہذا رب کائنات نے راہ مستقیم کی طرف ہدایت دینے کے لئے انسانوں ہی میں سے کچھ خاص بندے مقرر فرمائے۔ جن کی یہ ذمہ داری رہی کہ وہ ہدایت کا راستہ بھولے ہوئے انسانوں کو اس کی منزل کی طرف راہنمائی کریں۔

چونکہ انسان مختلف الطبع ہے، کوئی ترغیب سے متوجہ ہوتا ہے کوئی ترہیب سے مان لیتا ہے تو عوارض کے پیش نظر خالق نے اپنے مرسلین کو یہ بھی سکھا دیا تھا کہ تم معاشرے کے لوگوں کی طبیعتوں کو بھانپ کر اس کے مطابق اپنا رویہ رکھنا۔ انبیاء کرام نے اپنے معلم حقیقی کے امر پر لبیک کہا اور عین فرمان خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ان کے حقیقی مقصد اور صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتے گئے۔ اس حوالے سے سب سے بنیادی آیت یہ ہے۔ اذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (1)

اے رسول معظم! آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔ بے شک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔ (2)

اس آیت سے دعوت الی اللہ کے درجہ ذیل اصول اخذ ہوتے ہیں۔

1: دعوت الی اللہ کا پہلا اصول یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ دعوت دی جائے۔ مخاطبوں کے احوال و ظروف پر غور کیا جائے، ہر بار کی دعوت کی مقدار کا لحاظ رکھا جائے تاکہ کسی کو دعوت شاق نہ گذرے۔ اور بوجھل معلوم نہ ہو۔ پہلے نفوس کو احکام و تکالیف کی برداشت کے لئے تیار کیا جائے پھر ان پر احکام کا بوجھ رکھا جائے۔ جب ضرورت کا تقاضا ہو تو طریقہ میں تبدیلی کی جائے۔ دعوت میں بہادری، دفاع اور غیرت کے عناصر کو صرف حسب ضرورت ہی استعمال کیا جائے۔

2: دعوت میں موعظہ حسنہ کو اختیار کیا جائے تاکہ وہ آہستہ سے مخاطبوں کے دلوں میں داخل ہو جائیں اور غیر محسوس طور پر احساس و شعور کی گہرائی میں اتر جائیں۔ ضرورت کے بغیر ڈانٹ، ڈپٹ اور سختی کو کام میں نہ لیا جائیں لوگوں کی ان خطاؤں کو فاش نہ کیا جائیں جو ممکن ہے غفلت و نسیان کا نتیجہ ہوں یا نادانی سے سرزد ہوئی ہوں۔ واعظ و نصیحت میں نرمی عموماً متغیر دلوں کو راہ پر لے آتی ہے۔ جدا جدا قلوب کو جوڑ دیتی ہے، زجر و توبیخ و سختی سے یہ فائدے حاصل نہیں کئے جاسکتے ہیں۔

3: بہتر اور احسن طریقے کے ساتھ جدال کیا جائے، مخالف پر بوجھ نہ ڈالا جائے، اور نہ اسے ذلیل کیا جائے اسی طرح مخاطب مخالف بن کر سامنے نہیں آئے گا اور اس کے دل میں داعی کی محبت پیدا ہوگی۔ وہ سمجھے گا کہ داعی مجھ پر غلبہ پانے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ میری اصلاح چاہتا ہے، مخاطب کو مطمئن کیا جائے اور اسے حق تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ انسانی نفس میں بڑائی اور عناد کے جذبات بھی ہوتے ہیں، وہ نرمی کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترک کر دیتا ہے مگر شدت اسے جاہلیت کی حمایت پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو شکست خوردہ محسوس کرے تو ضد پر اڑ جاتا ہے۔ دوسری صورت میں اس کا دل صداقت کے لئے مفتوح ہو جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ داعی کا اس معاملے میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہے اور نہ وہ مجھے ذلیل کرنا چاہتا ہے، یہ بات اس کے دل میں حق کی محبت پیدا کر دیتی ہے اور وہ ضد و عناد سے باز آ جاتا ہے۔ چونکہ دعوت حق میں داعی کی اپنا کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ داعی کو سمجھانے کے لئے فرماتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے اس کی راہ سے گمراہ کون ہے اور وہ ہی ہدایت یافتہ کو بھی جانتا ہے پس داعی کو ذاتی انا کا مسئلہ بنانا درست نہیں وہ دعوت پیش کرے اور پھر معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔" (3)

اسی آیت کی تفسیر میں صاحب ضیاء القرآن لکھتے ہیں "ایک نادان و غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لئے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتا ہے اگر اس کے پیش کردہ دلائل بودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کی تبلیغ اخلاص و لہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کر دے گا۔ کیوں کہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے اور اس کو قبول کرنے کے لئے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیاوی لالچ اور خوف و ہراس ہو، اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرّم

ﷺ کو دعوتِ اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ ایک داعی اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے خلقِ خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہو کر رضائے الہی سے تبلیغ کرے اور اگر کوئی قبول نہ کرے تو اس کے لئے اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، یہ سب کچھ مشیتِ الہی پر موقوف ہے، وہ جسے چاہتا ہے قبول حق کی توفیق ارزانی فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم و نامراد کر دیتا ہے۔" (4)

اعلم انہ تعالیٰ لما امر محمدا صلی اللہ علیہ وسلم باتباع ابراہیم علیہ السلام بین الشیء الذی امرہ بتابعته فیہ فقال اذْغِ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ واعلم انہ تعالیٰ امر رسولہ ان يدعو الناس باحد هذه الطرق الثلاثہ وہی الحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ والمجادلۃ للطریق الاحسن وقد ذکر اللہ تعالیٰ ہذا الجدل فی آیات الاخری فقال وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْکِتَابِ إِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ ولما ذکر اللہ تعالیٰ ہذا الطرق الثلاثہ وعطف بعضها علی بعض وجب ان تكون طرقا متغايرة متباينة -اعلم ان الدعوة الی المذہب والمقالۃ لا بد ان تكون مبینة علی حجة و بینة والمقصود من ذکر الحجة اما تقریر ذالک المذہب وذالک الاعتقاد فی قلوب المستمعین واما ان یکون المقصود الزام الخصم وإخامہ - (5)

"اور جاننا چاہیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنے کا، اس چیز کے ساتھ کہ جو اس امر کے مطابق ہے۔ فرمایا (لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلواؤ۔) اور یہ بات بھی علم میں ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا تھا کہ لوگوں کو دعوت دیں، حکمت اور نیک نصیحت اور اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اس مناظرہ کا ذکر ایک اور آیت میں فرماتا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے اور فرمایا کہ اہل کتاب سے جھگڑانہ کرو مگر ایسے طریقے سے کہ نہایت اچھا ہو۔) اور جب اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اس تیسرے طریقے کا تو ایک کو دوسرے سے ہٹا دیا جو واجب ہے اور جو مختلف طریقہ تھا۔ اور وہ جو مفسرین کی نظر میں خالص مضبوط کلام ہے اور جاننا چاہیے کہ جب مذہب کو دعوت یا مقالہ کے ذریعے دیں تو ضروری نہیں کہ وہ صحت و وضاحت پر مبنی ہو، اور صحت کو بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ جب اس مذہب کی وضاحت کا بیان سننے والوں کی دلوں میں اس کا اعتماد ہو جائے اور وہ جو اس کے مخالف کو قبول کرے اسی کو لا جواب کر دینا مقصود ہے۔

اسی آیت کے تفسیر میں صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ "اس آیت میں دعوت و تبلیغ کا مکمل نصاب، اس کے اصول اور آداب کی پوری تفسیر چند کلمات میں سموئی ہوئی ہے۔ دعوت کی لفظی معنی لانے کی

ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا پہلا فرض منصبی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے پھر تمام تعلیمات نبوت و رسالت اسی دعوت کی تشریحات ہیں۔" (6)

قرآن میں رسول اللہ ﷺ کی خاص صفت داعی وَدَاعِيْنَا إِلَى اللَّهِ يَٰذِيْهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (7) "اور اس کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منور کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا) ہے۔" (8)

"يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ" (9) "اے ہماری قوم! تم اللہ کی طرف بلانے والے یعنی (محمد ﷺ) کی بات قبول کر لو۔" (10)

امت پر بھی آپ کے نقش قدم پر دعوت الی اللہ کو فرض کیا گیا ہے۔ "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔" (11) "اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور وہی لوگ بامراد ہیں۔" (12)

مندرجہ بالا آیات کی کچھ اصطلاحات پر غور لازمی ہے جو دعوت اللہ کی بنیادیں قرار پاتی ہیں۔
"الٰی سبیل ربک" اس میں اللہ جل شانہ کی خاص صفت رب اور پھر اس کی نبی کریم ﷺ کی اضافت میں اشارہ ہے کہ دعوت کا کام صفت ربوبیت اور تربیت سے تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی تربیت فرمائی اور آپ کو بھی تربیت کے انداز سے دعوت دینی چاہیے۔ جس میں مخاطب کے حالات کی رعایت کر کے وہ طرز اختیار کیا جائے کہ مخاطب پر بار نہ ہو اور اس کی تاثیر زیادہ سے زیادہ ہو خود لفظ دعوت بھی اس مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ پیغمبر کا کام صرف اللہ کے کام پہنچا دینا اور سنا دینا نہیں، بلکہ لوگوں کو ان کی تعمیل کی طرف دعوت دینا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو دعوت دینے والا اس کے ساتھ ایسا خطاب نہیں کیا کرتا جس سے مخاطب کو وحشت یا نفرت ہو یا جس میں اس کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا گیا ہو۔

"بالحکمۃ" لفظ حکمت قرآن کریم میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے لیکن اس جگہ میں حکمت سے مراد قرآن کریم لیا گیا ہے۔ حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کے ذریعے انسان مقتضیات احوال کو معلوم کر کے اس کے مناسب کلام کرے۔ وقت اور موقع ایسا تلاش کرے کہ مخاطب پر بار نہ ہو۔ نرمی کی جگہ نرمی اور

سختی کی جگہ سختی اختیار کرے۔ اور جہاں یہ سمجھے کہ صراحتاً کہنے میں مخاطب کو شرمندگی ہوگی تو وہاں اشارات سے کلام کرے۔ یا کوئی ایسا عنوان اختیار کرے کہ مخاطب کو نہ شرمندگی ہو نہ اس کے دل میں اپنے خیال پر جمنے کا تعصب پیدا ہو۔

"الموعظة" موعظہ اور وعظ کی لغوی معنی یہ ہے کہ کسی خیر خواہی کی بات کو اسی طرح کہا جائے کہ اس سے مخاطب کا دل قبولیت کے لئے نرم ہو جائے۔ الحسنة کی معنی یہ ہے کہ بیان اور عنوان بھی ایسا ہو جس سے مخاطب کا قلب مطمئن ہو اس کے شکوک و شبہات دور ہوں۔ اور مخاطب یہ محسوس کر لے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں صرف اس کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔

"وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" لفظ جادل مجادلہ سے مشتق ہے اس جگہ مجادلہ سے مراد بحث و مناظرہ ہے اور بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ سے مراد یہ ہے کہ اگر دعوت میں کہیں بحث و مناظرہ کی ضرورت پیش آئے تو مباحثہ بھی اچھے طریقے سے ہونا چاہیے۔ دلائل ایسے پیش کئے جائیں جو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے۔ دلیل میں وہ مقدمات پیش کئے جائیں جو مشہور و معروف ہوں تاکہ مخاطب کے شکوک دور ہوں اور وہ ہٹ دھرمی کے راستہ نہ پڑ جائے۔ (13)

قرآن کریم کی دوسری آیات اس پر شاہد ہیں کہ یہ احسان فی المجادلہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اہل کتاب کے بارے میں تو خصوصیت کے ساتھ قرآن کا یہ ارشاد ہے: وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ (14)

ترجمہ: اور اے مومنو! اہل کتاب سے نہ جگھڑا کرو، مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو۔ (15)

دعوت کے اصول و آداب

آیت مذکورہ میں دعوت کے لئے تین چیزوں کا ذکر ہے اول حکمت، دوسری موعظہ حسنہ، تیسری مجادلۃ باللتی ہی احسن بعض حضرات مفسرین نے یہ تین چیزیں مخاطبین کے تین قسموں کی بناء پر کی ہیں،

- 1: دعوت بالحکمۃ اہل علم و فہم کے لئے،
- 2: دعوت بالموعظۃ عوام کے لئے۔

3: مجادلہ ان لوگوں کے لئے، جن کے دلوں میں شکوک و شبہات ہوں یا جو عناد اور ہٹ دہرمی کے سبب بات ماننے سے منکر ہوں۔

ظاہر یہ کہ یہ آداب دعوت ہر ایک کے لئے استعمال کرنے ہیں، دعوت میں سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے پھر اس کلام میں خیر خواہی و ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایسے شواہد و دلائل سامنے لانا ہے جن سے مخاطب مطمئن ہو سکے اور طرز بیان و کلام ایسا مشفقانہ اور نرم رکھنا ہے کہ مخاطب کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں میری ہی مصلحت اور خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔ مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں۔

دعوت الی اللہ کے پیغمبرانہ آداب

دعوت الی اللہ دراصل انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے اور امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت میں استعمال کرتے ہیں تو یہ لازم ہے کہ اس کے آداب و طریقہ بھی انہی سے سیکھیں، جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہے اور دعوت کے بجائے عداوت و جنگ و جدال کا موجب ہو جاتی ہے۔ دعوت پیغمبرانہ کے اصول میں جو ہدایت قرآن کریم میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لئے نقل کی گئی ہے۔ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّیْنًا لَّعَلَّهُ یَتَذَكَّرُ أَوْ یَخْشَى (16) سو تم دونوں اس سے نرم (انداز میں) گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔ (17) یعنی فرعون سے نرم بات کرو شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ یہ ہر داعی حق کو ہر وقت سامنے رکھنا ضروری ہے فرعون جیسا سرکش کافر جس کی موت بھی علم الہی میں کفر ہی پر ہونے والی تھی، اس کی طرف بھی جب اللہ تعالیٰ اپنے داعی کو بھیجتے ہیں تو نرم گفتار کی ہدایت کے ساتھ بھیجتے ہیں۔ آج ہم جن لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم میں سے کوئی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے برابر ہادی و داعی نہیں۔ تو جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دونوں پیغمبروں کو نہیں دیا کہ مخاطب سے سخت کلامی کریں، اس پر فکر کریں، اس کی توہین کریں، وہ حق ہمیں کہاں سے حاصل ہو گیا، قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ اور کفار کے مجادلات سے بھرا ہوا ہے، اس میں کہیں نظر نہیں آتا کہ کسی اللہ کے رسول نے حق کے خلاف ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی ثقیل کلمہ بھی بولا ہو۔ اس کی کچھ مثالیں یہ ہیں:

1: لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ
(18) "بے شک ہم نے (نوح علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سوا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم (کے لوگو) تم اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، یقیناً مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف آتا ہے۔" (19)

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ اولیٰ العزم پیغمبر ہیں جو طول عمر دنیا میں مشہور ہیں، ساڈھے نو سو برس تک اپنی قوم کی دعوت و تبلیغ اصلاح و ارشاد میں دن رات مشغول رہے۔ مگر اس بد بخت قوم میں سے محدود چند کے علاوہ کسی نے ان کی بات نہ مانی۔ اور تو اور خود ان کا ایک لڑکا اور بیوی کافروں کے ساتھ لگے رہے۔ ان کی جگہ آج کا کوئی مدعی دعوت و اصلاح ہوتا اس قوم کے ساتھ اس کالب و لہجہ کیسا ہوتا؟ اندازہ لگائیے پھر دیکھئے ان کی تمام ہمدردی و خیر خواہی کی دعوت کے جواب میں قوم نے کیا کہا؟

2: إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (20) "ان کی قوم کے سرداروں، رئیسوں نے کہا کہ اے نوح! بے شک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں مبتلا دیکھتے ہیں۔" (21) ان کے بعد اللہ تعالیٰ کے آنے والے رسول حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے معجزات دیکھنے کے باوجود ازراہ عناد کہا کہ آپ نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کی اور ہم آپ کے کہنے سے اپنے معبودوں (بتوں) کو چھوڑنے والے نہیں، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم نے جو ہمارے معبودوں کی شان میں بے ادبی کی ہے اس کی وجہ سے تم جنوں میں مبتلا ہو گئے ہو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے یہ سن کر جواب دیا۔

"إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَشْرِكُونَ۔" (22) ہود علیہ السلام نے کہا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سے لا تعلق ہوں جنہیں تم شریک کر دیتے ہو۔ (23) اور سورۃ اعراف میں ان کی قوم نے اس کو اس طرح کہا کہ: "إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنُظُنُّكَ مِنَ الْكََاذِبِينَ (24) "انہوں نے کہا اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول (مبعوث) ہوا ہوں۔" (25) اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اور ان کی قوم میں جو بڑا عیب ناپ تول میں کمی کرنے کا تھا اس سے باز آنے کی ہدایت فرمائی۔ اور ان کی قوم نے ان سے مذاق کیا۔ اور توہین آمیز خطاب کیا۔

3: يَا شُعَيْبُ أَصْلَافُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرَكَ مَا يَعْْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ (26) "وہ بولے اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔ یا یہ کہ ہم جو کچھ اپنے اعمال کے بارے میں چاہیں (نہ کریں) بے شک تم ہی ایک بڑے تحمل والے ہدایت یافتہ رہ گئے ہو۔" (27)

انہوں نے ایک توطنہ دیا۔ جو تم نماز پڑھتے ہو یہی تمہیں بے وقوفی کے کام سکھاتی ہے دوسرے یہ کہ مال ہمارے ہیں ان کی خرید و فروخت کے معاملات میں تمہارا یا خدا کا کیا دخل ہے؟ ہم جس طرح چاہیں ان میں تصرف کا حق رکھتے ہیں۔ تیسرا جملہ تمسخر و استخراء کا ہے، یہ کہا کہ آپ ہی بڑے عقلمند بہت، دین پر چلنے والے ہیں۔ اس ظالم قوم کی اس گفتگو کے بعد اللہ کے رسول کا کتنا ہی خوبصورت جواب ہے۔ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَنِيهِ مِنْ رَبِّي وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (28) "شعیب علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! ذرا بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی بارگاہ سے عمدہ رزق بھی عطا فرمایا تو پھر حق کی تبلیغ کیوں نہ کروں، اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تمہارے پیچھے لگ کر حق کے خلاف خود ہی کچھ کرنے لگوں جس سے میں تمہیں منع کر رہا ہوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے تمہاری اصلاح ہی چاہتا ہوں۔ اور میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔" (29) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنے کے وقت جو نرم گفتار من جانب اللہ دی گئی تھی اس کی پوری تعمیل کرنے کے باوجود فرعون کا خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ تھا۔

4: قَالَ أَلَمْ نُنْزِلْكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ (30) "فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تمہیں اپنے یہاں بچپن کی حالت میں پالا نہیں تھا، اور تم نے اپنی عمر کے کتنے ہی سال ہمارے اندر بسر کئے تھے۔ اور تم نے اپنا وہ کام کر ڈالا۔" (31)

اس میں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بڑا احسان بھی جتلیا کہ بچپن میں ہم نے تجھے پالا ہے، پھر یہ بھی احسان جتلیا کہ بڑے ہونے کے بعد بھی کافی مدتوں تم ہمارے پاس رہے، پھر یہ عتاب ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قطبی بغیر ارادہ قتل کے مارا گیا تھا اس پر غصہ اور ناراضگی کا اظہار کر کے یہ بھی کہا کہ تم کافروں میں سے ہو گئے۔ یا کافروں میں سے ہونے کی لغوی معنی بھی ہو سکتی ہے یعنی ناشکری کرنے والا۔

جس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے تم پر احسانات کیے اور تم نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا جو احسان کی ناشکری تھی۔

اور اصطلاحی معنی بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ فرعون خود خدائی کا دعوے دار تھا تو جو اس کی خدائی کا منکر ہو وہ کافر ہوتا۔ اب اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب سننے کے قابل ہے اور پیغمبرانہ آداب، دعوت الی اللہ اور پیغمبرانہ اخلاق کا شاہکار ہے۔ کہ اس نے سب سے پہلے تو اس کمزوری کا اعتراف کر لیا۔ جو ان سے سرزد ہوئی۔ یعنی اسرائیلی آدمی سے لڑنے والے آدمی قبطنی کو ہٹانے کے لئے ایک مکا اس کے مارا تھا، جس سے وہ مر گیا۔ تو گویا یہ قتل عمد ارادتا نہیں تھا بلکہ شریعت موسوی کے لحاظ سے بھی وہ شخص قتل کا مستحق نہیں تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا: فَعَلَّهَا إِذَا وَاُنَّا مِنَ الصَّالِينَ (32) "اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جب میں نے وہ کام کیا میں بے خبر تھا، کہ کیا ایک گھونسنے سے اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔" (33)

5: حضور ﷺ کو دعوت و تبلیغ و واعظ نصیحت میں اس کا بڑا لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے۔ صحابہ کرام جیسے عشاق رسول ﷺ جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپ کی بات سننے سے اکتاء جائیں گے، ان کے لئے بھی آپ ﷺ کی عادت یہی تھی۔ کہ واعظ و نصیحت روزانہ نہیں بلکہ ہفتے کے بعض دنوں میں فرماتے تھے۔ تاکہ لوگوں کی طبیعت پہ بار نہ ہو۔ بخاری شریف میں حدیث ہے: عن انس ان النبی ﷺ قال یسروا ولا تعسروا و بشروا ولا تنفروا (34) لوگوں پر آسانی کرو دشواری نہ پیدا کرو، ان کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری سناؤ، نفرتیں مت پھیلاؤ۔ مایوسیوں، متنفر نہ کرو۔"

خلاصہ کلام

مبلغ اور داعی کو تبلیغ اور دعوت الی اللہ میں مخاطب کے مطابق ہم کلام ہونا ہے، اور اس کو اپنی بات سمجھانے اور متاثر کرنے کے لئے اپنے اندر جامعیت پیدا کرنی ہے تاکہ دوسرے لوگ اس کو دیکھ کر اس کی بات پر توجہ دیں، اور اس پر عمل کریں، اور معاشرے میں بہتری لائی جاسکے۔ قرآن نے تنفیر اور تکفیر کے ذریعے دعوت کی نفی کرتے ہوئے ایسی دعوت دینے کا حکم دیا جس میں انسیت اور جاذبیت کے عناصر موجود ہوں۔ زبان میں شیرینی و نرمی ہو اور کلام میں شائستگی اور برجستگی ہو۔ دعوت الی اللہ کی تشہیر و کامیابی کا راز قرآن مجید

کے فلسفہ دعوت پر موقوف ہے جو اسلوب دعوت ہمیں کلام مقدس نے مختلف طرق سے بتائے ہیں، ہر مبلغ اسلام اسی قرآنی اسالیب دعوت کو اختیار کر کے ایک معتبر اور موثر مبلغ اسلام بن سکتا ہے۔

حوالہ جات

1. القرآن: 16/125
2. القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، عرفان القرآن (لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشن، 2014ء) ج 1، ص 429
3. سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، ترجمہ ساجد الرحمن کاندھلوی (لاہور: اسلامی اکادمی، اردو بازار، 1989ء) ج 5، ص 390
4. الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 1402ھ) ج 2، ص 617
5. الرازی، فخر الدین، تفسیر کبیر الجزء التاسع عشر (بیروت: دار احیاء التراث عربی، 1405ھ-1985ء) ص 138
6. محمد شفیع، عثمان معارف القرآن (کراچی: ادارۃ المعرفة، سال اشاعت ذی قعدہ 1436ھ، اگست 2015ء) ج 5 ص 419
7. القرآن: 33/46
8. عرفان القرآن، ص 669
9. القرآن۔ 46/31
10. عرفان القرآن، ص 807
11. القرآن: 3/104۔
12. عرفان القرآن، ص 93
13. معارف القرآن، ج 5، ص 420_421
14. القرآن: 29/46
15. عرفان القرآن، ص 635
16. القرآن: 20/44
17. عرفان القرآن، ص 487
18. القرآن: 7/58
19. عرفان القرآن ص 487
20. القرآن: 7/60
21. عرفان القرآن، ص 237
22. القرآن: 11/54
23. عرفان القرآن، ص 343

24. القرآن: 7/66
25. عرفان القرآن، ص 238
26. القرآن: 11/87
27. عرفان القرآن، ص 349
28. القرآن: 11/88
29. عرفان القرآن، ص 349-350
30. القرآن: 26/18
31. عرفان القرآن، ص 578
32. القرآن: 26/20
33. عرفان القرآن، ص 578
34. بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری (کراچی: قدیمی کتب خانہ، 1381-1961ء)، ج 1، ص 16